# حیات شہداء

جناب وشوناتھ پرشاد ماتھر لکھنوی

اگر انسان کو ایک گلاب کا پھول سمجھ لیا جائے تو اس کی خوشبو کو روح تصور کرنا ہوگا۔ جس طرح پھول کی خوشبو اس کی تازگی تک وابستہ رہتی ہے، اسی طرح انسان کی زندگی یا روح اس کے جسم میں موجود ہوتی ہے۔ پھول مرجھایا اور خوشبو گئی۔ انسان مرض الموت میں مبتلا ہوا اور روح نے مفارقت کا راستہ طے کیا۔ روح کیا ہے؟ دنیا کا کوئی بھی فلسفی، سائنس داں، عالم اب تک جستجو کے باوجود اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب کیوں نہ ہو لیکن جب اس کے راہبر سے روح کے متعلق پوچھا جائے گا تو وہ اپنا خیال ایک دوسرے سے مختلف ظاہر کرے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ روح خون ہے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو خون گوشت میں جذب ہو کر غائب ہوجاتا ہے اور یہی روح ہے۔ کوئی کہتا ہے نہیں، روح کے معنی جان کے ہیں اور جان ایک ایسی شئے ہے جس کو حواس خمسہ محسوس تو کر سکتے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے ہیں چنانچہ یہی سوال جب پیغمبر اسلامؐ سے کیا گیا اور انھوں نے خدا سے پوچھا تو جواب ملا کہ روح خدا کا ایک حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے بھی اس کی توضیح مناسب نہیں سمجھی۔ کیونکہ صرف روح ہی نہیں، ہر چیز جو عالم وجود میں ہے وہ یا تو خدا کا حکم ہے یا خدا کی نشانی ہے جس کو دیکھ کر اہل بصیرت صحیح راستے پر گامزن ہوتے ہیں۔

روح کی جسم سے جدائی مختلف اسباب کی بناء پر ہوتی ہے لیکن جب یہ روح انسان کے جسم سے حقیقت کے راستے میں جنگ کرنے کے بعد جسم سے جدا ہوجائے تو اسی کا نام شہادت ہے اور دیکھا یہ گیا ہے کہ شہید کی روح ظاہری نگاہوں کو ضرور پرواز کرجاتی ہے مگر درحقیقت وہ دائمی زندگی سے منسلک ہوجاتی اور شہید حیات جاوید حاصل کرلیتا ہے۔ اس کی زندگی لباس ظاہری میں نہیں ہوتی کیونکہ شہید عام انسانوں کی نگاہوں میں نظر نہیں آتا مگر اس کی زندگی باقی رہتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے پھول کی خوشبو موجود تو ہوتی ہے، محسوس بھی ہوتی ہے مگر دکھائی نہیں دیتی، بالکل اسی طرح جیسے ہوا محسوس ہوتی ہے مگر دکھائی نہیں دیتی، دنیا نے ہزاروں بلکہ لاکھوں برس سے اس کی سرتوڑ کوشش کی کہ نہ صرف روح کی تحقیق کی جائے بلکہ کوئی بھی ایسی شئے ہاتھ لگ جائے جس سے انسان کو ابدی زندگی پر قابو حاصل ہوجائے مگر کوشش کرنے والے اب تک گرد کارواں بھی نہ پاسکے، اگر کوئی راستہ حیات ابدی کا معلوم ہوا تو وہ صرف شہادت کا راستہ ہے کہ انسان اپنا خون سچائی کے راستے میں بہا کر ہمیشہ کی زندگی حاصل کرلیتا ہے اور مسلمانوں کے عقیدے سے جس کا اظہار قرآن مجید میں کیا گیا ہے، شہیدوں کو خدا عام انسانوں کی طرح روزی بھی دیتا ہے اور وہ زندہ ہیں مگر سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر وہ شخص جو قرولی یا تلوار کا زخم کھا کر یا گولی وغیرہ سے مرجائے، شہید ہوتا ہے، تو ایسا نہیں۔ شہادت کے بعد بھی جا(د)ے اور منزلیں ہوتی ہیں، اصول ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص فوجوں کے ہمراہ کسی ملک پر دولت کی لالچ میں حملہ آور ہو اور اسے قتل کردیا جائے تو یہ شہادت کی منزل تک نہیں پہنچتا، اس لئے کہ اس کا مقصد ملک گیری ہوتا ہے، اس کی جنگ حقیقت کے بچاؤ کے لئے نہیں ہوتی۔

آپ نے یورپ کی تاریخ میں نپولین کا مقام بہت سنا

ہوگا مگر اس کی بلندی دنیاوی تاریخ سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی طرح محمود غزنوی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ اس نے بھی فوجوں اور طاقت کے زور پر ہندوستان جیسے ملک پر چڑھائی کی اور احکام اسلامی کے خلاف دوسروں کی عبادت گاہوں کو مسمار کر کے فتح کا پرچم لہرایا، مگر یہ فتح کا پرچم نہ تو صداقت کا نشان تھا نہ سچائی کا علم بلکہ اس کی طمع دنیا کا آئینہ دار تھا۔ یہ اگر میدان جنگ میں تلوار سے زخمی ہوکر مرجاتا تو اسے ہرگز شہید نہیں کہا جاسکتا تھا۔ شہید اس کو کہتے ہیں جو خدا کے راستے میں خلوص ومحبت کی راہ میں اپنی گردن پیش کردے۔ قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کو شہید کہا گیا ہے۔ ایسے لوگ درحقیقت حیات جاوید حاصل کرلیتے ہیں۔ ایسے شہیدوں کی تعداد کم نہیں ہے۔ خدا ہی جانے کتنے شہیدوں نے اس کی راہ میں سخت سے سخت امتحان دے کر اپنی جانیں نذر کیں اور خدا نے ان کو حیات جاوید مرحمت فرمائی۔ مگر شہیدوں کا جو سردار ہے، اس کو دنیا جانتی ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے کیوں نہ ہو اور وہ ہیں سید الشہداء حضرت امام حسینؑ جنھوں نے ۱۴؍سو سال قبل سرزمین عرب پر کربلا میں شہادت کا وہ بے نظیر مرقع پیش کیا جس کا جواب نہ تو ان سے پہلے کوئی تھا اور نہ قیامت تک پیدا ہوسکتا ہے۔

بعض لوگ لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسینؑ شہید ہوکر سردار ہوگئے تو ان کے غم میں رونا کیا اور ان کی مصیبت پر آنسو بہانا کیا معنی رکھتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو بلند منزلیں شہادت کے بعد پائی ہوں گی، ان کا اندازہ تو اسی وقت ہوگا جب خود بھی انسان دنیا میں باقی نہ رہے، کیونکہ وہ تمام عطیات خداوندی انسان کی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ اس پر خوشی منانا صحیح نہیں لیکن مصائب جو امام حسینؑ پر گذرے وہ سب تاریخوں کے اوراق میں محفوظ ہیں، اس لئے ان کو یاد کر کے رونا انسان کی فطرت ہے اور فطرت سے کوئی بھی اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

حضرت امام حسینؑ کے متعلق بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کے ہیں، مگر ایسا نہیں ہے۔ جس طرح چودھویں کا چاند اور اس کی روشنی کسی ایک کے لئے نہیں ہوتی اور وہ بغیر امتیاز مذہب ہر گھر میں پہنچتی ہے یا جس طرح بہتی ہوئی گنگا اور جمنا پیاسے کا نام اور مذہب پوچھے بنا اس کو سیراب کردیتی ہیں، اسی طرح حضرت امام حسینؑ کا کرم، محبت اور ان کا فیض یا ان کے اصول صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ جو بھی ان کے چہرے کی ضیاؤں سے کسب فیض کرنا چاہتا ہے کرسکتا ہے، اس لئے کہ امام حسینؑ نے سچائی کی خدمت کی تھی، حقیقت کو باطل کے دست برد سے بچایا تھا، انسانیت اور انسان کے اخلاق وعادات اور صفات کا تحفظ کیا تھا۔ انھوں نے بندش آب گوارا کیا لیکن اس بات کو برداشت نہیں کیا کہ یزیدیت کے شکنجے میں پھنس کر انسانیت تباہ ہوجائے۔

اگر حقیقت بھری نگاہوں سے واقعہ کربلا کو دیکھا جائے تو روز عاشور کتنے ہی سبق ملتے ہیں۔ اگر حضرت زینبؑ نہ ہوتیں تو دنیا کیونکر سمجھتی کہ بہن اپنے بھائی اور بھائی بہن کو کتنا چاہتا ہے۔ اگر حضرت علی اصغر امام حسینؑ کے ہاتھوں پر شدت تشنگی میں تیر کھا کر شہید نہ ہوجاتے تو دنیا کو کیسے اندازہ ہوتا کہ ایک باپ نے اپنے چھ ماہ کے بچے کو خون اور آندھی کی بارش میں کیونکر بارگاہ خدا میں پیش کردیا۔ اور پھر بچہ چھ ماہ کے سن میں کس طرح اپنے باپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی جان اس کے اہل اصول پر نثار کردیتا ہے۔ اگر حضرت علی اکبرؑ نہ ہوتے اور شہادت کی منزل پر فائز نہ ہوتے تو دنیا کیونکر یہ جانتی کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب سچائی کے نام پر نوجوان بیٹے کی قربانی بھی پیش کردی جاتی ہے۔ بعض مسلمانوں کے ذہن میں اب بھی یہی بات ہے کہ جب امام حسینؑ شہادت کی منزل پر فائز ہوگئے یا پیغمبرؐ خدا کا ان کی وفات کے بعد خدا سے وصال ہوگیا تو اس پر غم کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہی ہے کہ شہید ہوکے حسینؑ کو بلند درجات ملے مگر اس کی خوشی سے ان کو کیا ربط جو غم کے فطری اصول سے منہ پھیر کر چلتے ہیں۔

اگر شہید کی شہادت پر یا اس کی ظاہری موت پر رونا بدعت ہی ہوتا تو خدا کے رسولؐ اپنے حقیقی چچا حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد کیوں رونے کا حکم دیتے؟ یہی نہیں بلکہ تمام اسلامی تاریخوں میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حضرت ابن عباس اور ام المومنین ام سلمہ نے خواب میں پیغمبرؐ خدا کو اس طرح دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور سر پر کربلا کی خاک پڑی ہوئی تھی، دونوں ہاتھوں میں دو شیشے تھے جن میں خون تازہ جوش مار رہا تھا۔ ام سلمہ کے سوال کرنے پر پیغمبرؐ خدا نے جواب دیا کہ ابھی کربلا میں میرا نواسہ اپنی اولاد سمیت شہید کر دیا گیا ہے، ایک شیشہ میں حسینؑ کا خون ہے اور دوسرے شیشہ میں اصحاب حسینؑ کا۔

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ تمام لوگ حضرت امام حسینؑ کی بلند منزل سے واقف نہیں ہو سکتے مگر پیغمبرؐ خدا تو جانتے تھے کہ حسینؑ شہادت حاصل کرنے کے بعد کن بلند منزلوں پر فائز ہوئے مگر اس کے بعد بھی پیغمبرؐ خدا روئے اور ان کو فطری محبت نے گریہ پر مجبور کیا جس کے بعد وہ مسلمان جو رونا بدعت جانتے ہیں، یہ سمجھ لیں کہ آنسو ظاہری مصیبت پر نکلتے ہیں۔ صرف اس خیال پر ہمارا غم غلط نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کو حیات جاوید مل گئی۔ وہ شہید بھی ہیں اور تمام شہداء کے سردار بھی۔ حیات جاوید تو ان کے قدم چومتی ہے مگر وہ جن مصائب کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور جو مظالم ان پر کئے گئے، ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ بھی انسان کی فطرت ہے کہ اگر کسی کے دادا کو بے گناہ قتل کر دیا گیا ہو تو اس کا پوتا اپنے دادا کے قاتل کے پوتے کو دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ اسی کے دادا نے ہمارے دادا کو قتل کیا اور جب تک وہ قتل کا بدلہ قتل سے نہیں لے لے گا اس وقت تک اس کو قلبی سکون حاصل نہیں ہوگا حضرت امام حسینؑ شہید بھی ہوئے، ان کو حیات جاوید بھی ملی مگر ان کا خون بے گناہ آج بھی شفق میں جگمگا کر اپنی بے گناہی کا اعلان کرتا رہتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ واقعہ کربلا اپنی مثال آپ بھی ہے اور دنیا کے لئے ایک ایسا سبق بھی ہے جس سے قیامت تک دنیا فیض حاصل کرتی رہے گی اور کربلا کا ہیرو اپنی شہادت کے بعد بھی دنیا کو یہ بتاتا رہے گا کہ سچائی گلا کٹوانے کے بعد بھی فنا نہیں ہو سکتی، اور جھوٹ کو مظلوم کا گلا کاٹ دینے کے بعد بھی فنا نہیں ہو سکتی۔ یزید چند روزہ زندگی کو پائیدار جانتے ہوئے اپنی دولت کو غیر فانی جانتا تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ امام حسینؑ کا گلا کاٹ دینے کے بعد وہ اسلام کا نام و نشان دنیا سے مٹا دے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا ادھر امام حسینؑ شہید ہوئے اور ان کو حیات جاوید ملی اور ادھر یزید کے تصورات خاک میں مل کر رہ گئے۔ یہی نہیں بلکہ جو اسلام رسولؐ کی وفات کے بعد سے نیم مردہ حالت میں ہچکیاں لے رہا تھا، اس میں جان پڑ گئی، وہ آنکھیں مل کر ہمیشہ کے لئے بیدار ہو گیا اور دنیا سمجھ گئی کہ اسلام کے وارث وہ نہیں تھے جنھوں نے ملک گیری کو اسلام کا مقصد سمجھ رکھا تھا بلکہ اسلام وہ تھا جس کو رسولؐ کے بعد علیؑ نے سر کا خون دیا اور امام حسینؑ نے اپنا اور اپنے اصحاب وغیرہ کا خون دے کر جسم اسلام میں روح ڈالی، جس کا نتیجہ یہی نہیں کہ امام حسینؑ نو حیات جاوید کے مالک ہوئے بلکہ اسلام کو بھی قیامت تک کے لئے زندگی دے گئے۔

زندگی کے آثار ہوتے ہیں، اس کی نشو و نما ہوتی ہے اور زندگی دنیا کی نگاہوں میں محسوس ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ کہیں کہ حضرت امام حسینؑ اگر زندہ ہیں تو وہ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیات شہداء عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتی جس کو ظاہری نگاہ دیکھ سکے بلکہ شہید اگر باقی رہتا ہے تو اس کے اصول بھی زندہ رہتے ہیں۔ آج کتنے ہی دنیا کے بڑے انسان مر جاتے ہیں مگر دس بیس سال بعد دنیا ان کو بھول جاتی ہے۔ سیکڑوں برس پہلے کتنوں ہی نے شہادت پائی مگر آج زبانوں پر ان کا نام بھی نہیں آتا۔ مگر وہ حضرت امام حسینؑ ہی ہیں جن کی یاد دنیا کے گوشہ گوشہ میں منائی جاتی ہے۔ صرف محرم ہی نہیں ہمہ وقت امام حسینؑ کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور ان کا نام زبان

(بقیہ۔۔۔۔۔صفحہ ۱۶؍ پر)

وثبات کے سر قلم کئے جا چکے، ہزاروں کو جیلوں میں بھرا جا چکا، بقیہ لوگ، دہشت زدہ ہو کر منتشر ہو چکے۔ ایسی صورت میں جنگ کا کون سا موقع تھا۔

پھر اس سے امام کا مقصد حاصل نہ ہوتا، نہ اس صورت میں جب کہ آپ کو شکست ہوئی، نہ اس صورت میں آپ کامیاب ہوتے کیونکہ اکثریت یہی سمجھتی کہ یہ دو بادشاہوں کی جنگ تھی، حکومت وسلطنت کی غرض سے۔ اگر حضرت فتح بھی حاصل کرتے، تو اصل مقصد کو فائدہ نہ پہنچتا۔ اس کا اثر ایک وقتی انقلاب سلطنت کی حیثیت سے ہوتا جس کا اثر دیر پا نہ رہتا اور بنی امیہ کے چہرے پر اسلام کی نقاب بدستور پڑی رہتی اور اگر کچھ لوگ امام کو حق پر بھی سمجھتے تو حریف کو سابقین کی طرح خطائے اجتہادی کے ماتحت لا کر معذور سمجھ لیتے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور نے نہ تو مکہ ومدینہ میں ساتھی جمع کئے، نہ طرماح بن عدی کے کوہ اجا کے بیس ہزار سواروں کی مدد حاصل کی کیونکہ آپ کے مقصد کی تکمیل کے لئے یہ چیزیں نہ صرف غیر ضروری بلکہ مضر تھیں، کیونکہ حریف کو مادی شکست دینا آپ کا مقصد نہ تھا۔ حضور کا مقصد حریف کے کردار کو شکست دینا تھا اور اس کے کردار کی شکستگی کا اعلان کرنا تھا۔ جب یہ مقصد تھا تو اسی کے لحاظ سے فتح وشکست کا معیار بھی قائم ہوگا۔ جس کا کردار غالب رہا، وہ فاتح، اور جس کا کردار پست رہا وہ مغلوب ومفتوح۔ اب یہاں انسانی صورتوں کے جماؤ کی ضرورت نہیں، بلند کردار کے انبار لگا دینے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے حسینؑ نے بار بار مجمع کو چھانٹ کر صاف کر دیا تا کہ کوئی ایک بھی ایسا نہ رہ جائے جس کا کوئی ایک اقدام بھی کردار کی بلندی کے شایان نہ ہو، کوئی ایک بھی ایسا نہ ہو جس کے اقدام سے آپ کی طرف جارحانہ اقدام کا الزام عائد کیا جا سکے نگاہیں بہتر ۷۲ ہوں لیکن نقطۂ نگاہ ایک ہو، جسم بہتر ہوں مگر روح عمل ایک ہو، دل بہتر ہوں لیکن مرکز فکر ونظر ایک ہو، قدم بہتر ہوں لیکن اقدام ایک ہو، نسل ورنگ کے امتیازات ہوں لیکن مقصد کے لحاظ سے سب حسینی ہوں، سن وسال کے لحاظ سے مختلف ہوں لیکن حوصلہ کے لحاظ سے سب جواں ہوں، عملی حیثیت سے دنیاوی زندگی کو حقیر ثابت کرنے کے لئے سب تیار ہوں، بڈھے ایسے ہوں جن کی آنکھوں سے شیر نر کا جلال نمایاں ہو، جوان ایسے ہوں جو موت کے لئے شہد سے زیادہ شیریں ہونے کا اعلان کر رہے ہوں، لڑکے ایسے ہوں جو حق پر مٹنے کو لازوال زندگی سمجھتے ہوں، بچے ایسے ہوں جو تیر کھا کر مسکرا دیتے ہوں، بیمار ایسے ہوں جو طوق ورسن کو آزادی کا زیور سمجھتے ہوں، بیبیاں وہ ہوں جو شہیدوں کے خاموش ہوتے ہی حسینی مقصد کی تبلیغ شروع کر دیں، جن کو مقصد شہادت بیاں کرنے کے لئے نہ بھوک پیاس روک سکے، نہ بے کسی وبے بسی مانع ہو، نہ دربدری پریشان کر سکے، نہ بے پردگی خوفزدہ بنائے، نہ قید وبند ذہن پر قفل ڈال سکے، نہ درباروں کا جاہ وحشم زبان میں گرہ لگا سکے۔ بس کردار کا یہی وہ سیلاب تھا جو یزید ویزیدیت کو پرِ مگس کی طرح بہا لے گیا اور جس طریقہ جنگ کو دنیا نے اس کے پہلے مشاہدہ نہیں کیا تھا عالم کو دکھلا گیا۔

✿✿✿

## بقیہ۔۔۔۔۔۔حیات شہداء

پر آتا ہے تو آنکھوں میں آنسو بھی ان کی یاد کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ان کی شہادت کو تقریباً ۱۴ رسو سال گذر گئے ہیں لیکن جب محرم کا چاند فلک پر نمودار ہوا حسینؑ کی ذہنی تصویریں دماغوں میں جگمگانے لگیں۔ یہ کیا ہے اگر حیات نہیں؟ کیونکہ اگر کوئی انسان زندہ رہتا ہے تو اس کے آثار حیات اسی کے ساتھ ہوتے ہیں مگر جب کوئی شخص دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو وہ آثار نظر نہیں آتے۔ حسینؑ کی زندگی کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے اصول زندہ ہیں، ان کا نام زندہ ہے، ان کی بات زندہ ہے اور یہ سب کچھ ہمیشہ باقی رہے گا کیونکہ اسی کو حیات جاوید کہتے ہیں۔

✿✿✿